بانی: حضرت اقدس مولانا **شاہ سعید احمد رائے پوری** قَدَّسَ اللّٰہُ سِرَّہُ السَّعِید
مسند نشین رابع خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مدیرِ اعلیٰ: حضرت اقدس مولانا مفتی **عبدالخالق آزاد رائے پوری** جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ

شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ رحیمیہ لاہور

مئی 2024ء / شوال المکرّم، ذوقعدہ ۱۴۴۵ھ • جلد نمبر 16، شمارہ نمبر 5 • قیمت: 30 روپے • سالانہ ممبرشپ: 350 روپے

مجلس ادارت

سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن
صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی
مدیر: محمد عباس شاد

ترتیبِ مضامین

- خواہشات پر مبنی بلا دلیل دعوے؛ ترقی کے راستے کی رُکاوٹ
- رحمتِ الٰہی کا تقاضا
- حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ
- قومی اور سماجی ویژن سے عاری دھاندلی زدہ حکومتیں
- اخلاص کی اہمیت اور رِیاکاری کی مذمت
- ابویوسف یعقوب بن اسحاق الکِندیؒ
- تباہی کا نسخہ
- صہیونی جارحیت کا منہ توڑ جواب
- اقوام کی ترقی کا قرآنی نظام اور لائحۂ عمل
- قوم کی تعریف اور سیرتِ رسول ﷺ کی روشنی میں قومی تقاضے
- معاشرے کی ترقی کے دو اَساسی اُصول اور مسلمانوں کا ہزار سالہ دور
- مسلمانوں کی غلامی کے اسباب اور اس سے نکلنے کی حکمتِ عملی
- حضرت مولانا مفتی عبدالسلام قاسمیؒ کا سانحۂ ارتحال
- دینی مسائل

ارشادِ گرامی

حضرت اقدس مولانا **شاہ عبدالقادر** رائے پوری قدس سرہ مسند نشینِ ثانی خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

(مفسرِ قرآن حضرت مولانا) خواجہ (عبدالحیٔ فاروقی) صاحب نے سوال کیا کہ حضرت! سلطنت کی اگر اوّل (یعنی ابتدا) میں اہمیت نہیں تو ثانوی (دوسرے درجے میں) حیثیت تو ثابت ہے؟

حضرتؒ نے فرمایا کہ: ہاں! جب (مطلوبہ تیاری کے بعد) موقع ہو (تو اس کی اہمیت ہے)، مگر (اسلام کی نظر میں سلطنت کا قیام) انسانی فلاح کے لیے ہے۔ چناں چہ آیتِ شریفہ (22-الحج: 41) پڑھی کہ نماز، زکوٰۃ وغیرہ (کے قیام و نظام) کو ہی انسانی فلاح کا موجب قرار دیا ہے۔ عرب کی سرحدوں کی حفاظت شروع میں مطلوب تھی اور (دینِ اسلام کی) تبلیغ بھی (پیشِ نظر تھی)، جس (کے خلاف مزاحمت) کی وَجہ سے روم و ایران (کی عالمی طاقتوں) سے ٹکر ہوئی اور (ان پر غلبہ) ہوا، جو کچھ ہوا (وہ ایک تاریخ ہے)، اسلام کے سفیر جب کہیں جاتے تھے تو یہی کہتے تھے کہ ''تم مسلمان ہو جاؤ (یعنی کل دین کی اطاعت کرو) تو پھر ہم، تمھارا ملک تمھارے ہی قبضے میں چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ ہمیں ملک گیری (یعنی ملکوں پر قبضہ) سے سروکار نہیں ہے''۔

(۱۷؍ رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ/ 15؍ اگست 1946ء۔ مقام: رائے پور)
(ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص: 156-155، طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
0092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org
Email: info@rahimia.org

رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جاسکتا ہے۔

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

درسِ قرآن

تفسیر: شیخ التفسیر مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

خواہشات پر مبنی بلا دلیل دعوے؛ ترقی کے راستے کی رُکاوٹ

گزشتہ آیات (2-البقرہ:109-110) میں مسلمانوں سے کہا گیا کہ وہ انسانیت دشمن قوموں اور غضبِ الٰہی کے مستحق فرقوں کی منفی عادتوں اور رویوں سے دور رہیں اور پوری یکسوئی کے ساتھ نماز اور زکوٰۃ کا نظام قائم کر کے اپنا تعلق اللہ تعالیٰ سے قائم کریں۔ اور اپنے آپ کو اجتماعی طور پر مضبوط بنانے کے لیے اپنے نظم وضبط پر توجہ دیں۔

ان آیات (البقرہ:111-112) میں مسلمانوں کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ غضبِ الٰہی کے مستحق یہود و نصاریٰ اپنے زوال کی حالت میں خواہشات پر مبنی جھوٹے دعوے کرنے کے عادی ہو چکے ہیں، اُن سے بچنا ضروری ہے۔ سلامتی کا صحیح راستہ یہ ہے کہ خالص اللہ کی طرف متوجہ ہو کر کام کریں، تاکہ خوف زدگی کی حالت سے نکل کر اجرِ الٰہی کے مستحق ہوں۔

وَ قَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰیؕ (اور کہتے ہیں کہ: ہرگز نہ جاویں گے جنت میں مگر جو ہوں گے یہودی یا نصرانی): یہودیوں کے رہنما بنی اسرائیل کے سامنے ایسے دعوے کرتے رہے ہیں کہ جنت میں انھیں کے فرقے کے لوگ جائیں گے۔ اور نصرانیوں کے رہنما بنی اسرائیل کے سامنے یہ دعوے کرتے تھے کہ صرف ہمارے فرقے کو ماننے والا ہی جنت میں جائے گا۔

قومیں جب سچی کتاب اور اُس کے قوانین پر عمل سے عاری ہو کر سیاسی ذلت اور معاشی زوال میں مبتلا ہوتی ہیں تو اُن میں بے سروپا دعوے فروغ پاتے ہیں۔ تورات اور انجیل میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مؤمنین مخلصین کے لیے جنت اور نافرمانوں کے لیے جہنم کا وعدہ کیا تھا۔ بنی اسرائیل میں جب مفاد پرستی پر مبنی فرقہ وارانہ گروہیت پیدا ہوئی تو ہر فرقہ اپنے آپ کو جنتی قرار دیتا۔ اور دوسرے فرقے کو جہنمی قرار دیتا رہا۔ اپنے فرقے سے متعلق لوگوں کو اپنے گروہ کے ساتھ جڑے رہنے کے لیے اس طرح کے بلند و بانگ دعوے کیے جاتے رہے۔ بدقسمتی سے آج مسلمانوں میں بھی اسی طرح کی خواہشات پر مبنی تمنائیں اور آرزوئیں پیدا ہو چکی ہیں (اللہ بچائے، اللہ کی پناہ!)۔

تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (یہ آرزوئیں باندھ لی ہیں انھوں نے، کہہ دے: لے آؤ سند اپنی اگر تم سچے ہو): یہودیوں کے اس دعوے پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ اُن کی خواہشات اور آرزوئیں ہیں۔ تمنا اور خواہش وہ ہوتی ہے کہ انسان کوئی عمل کیے بغیر اچھے نتائج کی توقع رکھے۔ کسی قوم کے لیے دنیوی اور اُخروی کامیابی اور ترقی کے لیے علم وشعور پر مبنی بلند فکری، حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے عملی منظّم قوت اور سیاسی ومعاشی طاقت وقوت کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب کوئی قوم اس سے ناآشنا ہو کر بے عمل بن جاتی ہے تو پھر ان کے دلوں میں تمنائیں اور آرزوئیں پیدا ہوتی ہیں اور وہ زمینی حقائق سے ناآشنا بڑے بلند بانگ دعوؤں کی عادی ہو جاتی ہیں۔ اور گروہوں میں بٹ کر اپنے اپنے فرقوں کی کامیابی کی خواہش اور تمنا رکھتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسے فرقہ پرست اگر اپنی تمناؤں اور دعوؤں میں سچے ہیں تو کوئی عقلی دلیل پیش کریں۔ ''بُرہان'' اُسے کہتے ہیں کہ حقائق اور صحیح مقدمات پر مبنی عقلی اور منطقی دلائل پیشِ نظر رکھ کر نتائج پیش کیے جائیں۔ ایسی خواہشات کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا، جن کے پیچھے کوئی حقائق نہ ہوں۔ زمینی حقیقت سے ماورا محض رومانویت پر مبنی تمنائیں اور آرزوئیں کسی صورت معتبر نہیں ہیں۔ زوال پذیر قوموں کا یہی المیہ ہوتا ہے کہ وہ حقائق سے آنکھیں چرا کر خواہشات پر مبنی تصورات، نظریات اور مصنوعی عملیات کی عادی ہو جاتی ہیں۔ یوں مزید زوال اور پستی کی حالت میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور خواہشات پر مبنی بلند بانگ دعوؤں کی اَسیر قوم کو ذلت سے نکلنے کا راستہ بھی سجھائی نہیں دیتا۔ وہ ایسی ہی لایعنی بھول بھلیوں میں سرگرداں رہتے ہیں۔

بَلٰیۗ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ۪ (کیوں نہیں، جس نے تابع کر دیا منہ اپنا اللہ کے، اور وہ نیک کام کرنے والا ہے، تو اسی کے لیے ہے ثواب اس کا اپنے ربّ کے پاس) حضرت ابراہیم علیہ السلام سے دینِ حنیفی کا آغاز ہوا ہے۔ حنیفی تحریک کا بنیادی قانون یہ ہے کہ جو آدمی مظاہرِ قدرت کی اُلوہیت کے دائرے سے اوپر اُٹھ کر صرف اور صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کا دل وجان سے فرماں بردار ہوا اور اُس نے اپنے آپ کو خالصتاً اللہ کی طرف متوجہ رکھا، اس کے لیے دُنیوی اور اُخروی انعامات ہیں۔ دنیا کا ماحول بھی اُس کے لیے جنت کا سا ہوتا ہے اور آخرت کی جنت کا انعام بھی اُس کو بڑی وافر مقدار میں اپنے ربّ کی طرف سے اجر کی صورت میں حاصل ہوگا۔ اب ابراہیمی تحریک کا لبادہ اَوڑھ کر کسی بھی طرح کی فرقہ وارانہ گروہیت پیدا کرنا درست نہیں ہے۔ ہر فرقہ اور گروہ اس بنیادی قانون کو نظرانداز کر کے محض تمنائیں اور آرزوئیں پالے تو وہ کیسے دنیا اور آخرت کی ترقی حاصل کر سکتا ہے۔

وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (اور نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے): دنیا اور آخرت کی کامیابی یہ ہے کہ انسان خوف اور غم کی حالت سے نکل کر امن اور خوش حالی کی حالت میں داخل ہو جائے۔ جو قوم سیاسی طور پر خوف زدگی کی حالت میں رہے، یا اپنی اجتماعی طاقت اور قوت سے محروم ہو کر بدامنی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو اور طاغوتی قوتیں اُن پر ظلم ڈھاتی رہیں، تو وہ کیسے دنیا اور آخرت کی کامیابی حاصل کر سکتی ہے۔ اسی طرح جو قوم معاشی حوالے سے غم واندوہ میں ڈوبی ہوئی ہو، افلاس نے اُن کا گھیراؤ کیا ہوا ہو تو وہ غموں کا اسیر بنا دیتی ہے۔ اس سے نکلنے کا ایک واحد راستہ یہ ہے کہ اللہ کے بیان کیے ہوئے سیاسی اور معاشی نظام کے مطابق اپنی اجتماعی طاقت اور قوت پیدا کر کے کام کیا جائے تو ایسی جماعت کے لیے دنیا میں نہ سیاسی طور پر خوف زدگی کی حالت ہوگی، بلکہ دشمن کے مقابلے پر کام کرنے کی جرأت اور ہمت پیدا ہوگی۔ اور نہ ہی معاشی طور پر غمگینی اور مسکینی کی صورت میں مبتلا ہوگا۔ دنیا کی جنت بے خوفی پر مبنی سیاسی امن اور غموں سے پاک معاشی خوش حالی سے حاصل ہوتی ہے اور آخرت کی جنت میں بھی انسان ہر خوف سے آزاد اور ہر غم سے پاک ہو کر جنت کی راحت پائے گا۔

درسِ حدیث

از: مولانا ڈاکٹر محمد ناصر، جھنگ

رحمتِ الٰہی کا تقاضا

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ ، يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ ﷺ: ”الرَّاحِمُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ، ارْحَمُوا أَهْلَ الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ“.

(سنن ابوداؤد، حدیث: 4941)

(حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”رحمٰن رحم کرنے والوں پر رحم فرماتا ہے۔ تم زمین والوں پر رحم کرو تو آسمان والا تم پر رحم کرے گا“۔)

اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ اس کائنات کے نظامِ ربوبیت کی اَساس بیان کررہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رب العالمین ہونے کے ناتے صفتِ رحمت پر اس کائنات کے نظام کو چلا رہے ہیں۔ مؤمنین کو تلقین کی گئی ہے کہ وہ بھی صفتِ رحمت کی بنیاد پر شخصی، خاندانی اور اجتماعی نقطۂ نگاہ اپنائیں۔ جب خاندانی نظام صلہ رحمی کے اصول پر قائم ہوتا ہے اور اجتماعی سوچ کی روشنی میں بچوں کی تربیت ہوتی ہے اور اس سوچ کے تابع انسانوں کا مزاج ڈھلتا ہے تو ایسے لوگ قومی اور بین الاقوامی دائرے میں بھی اسی سوچ کے تحت خُلق اختیار کرنے کے عادی ہوجاتے ہیں۔

صفتِ رحمت اور صلہ رحمی کے اُصول پر خاندانی نظام میں زندگی گزارنے والوں سے توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ قومی اور بین الاقوامی اُمور میں عمدہ اَخلاق کا مظاہرہ کریں گے۔ جب انسان اس کا عادی اور خوگر ہوجاتا ہے تو اس کی سماجیات، سیاسیات، معاشیات، اس کا انفرادی اور اجتماعی طرزِ عمل صفتِ رحمت کے اُصول پر ہی ڈھلتا ہے، جس کے نتیجے میں وہ بلاتفریق رنگ، نسل اور مذہب کے انسانوں سے تعلق قائم کرتا ہے۔ ایک خدا اور ایک مخلوق کے اُصول پر وہ تمام انسانوں کے ساتھ یکساں سلوک کرتا ہے۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیابت اور خلافت کی ذمہ داری احسن طریقے سے نبھاتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کی تربیت اور کردار وعمل اس کا عملی ثبوت ہے۔

مؤمن کا یہ طرزِ عمل انسانیت کے لیے آسانی، کامیابی، ترقی اور خوش حالی کا ذریعہ بنتا ہے۔ ایک مؤمن سے اللہ تعالیٰ یہی چاہتے ہیں کہ وہ دنیا میں انفرادی سطح سے لے کر بین الاقوامی سطح تک اسی صفتِ رحمت کے اصول پر ریاستی نظام تشکیل دے، تاکہ یہ دنیا جنت نظیر بن جائے۔ جب انسان امن وامان کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے اور اپنی معاشی ضروریات کو بہ آسانی پورا کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے اور معاشی بدحالی کے بھیانک اَثرات سے محفوظ ہوجاتا ہے تو پھر اُسے اُخروی کامیابی کے لیے یکسو ہونے میں کوئی رُکاوٹ باقی نہیں رہتی۔ اللہ کی طرف اس کی توجہ کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہوتی۔ یوں دُنیوی کامیابی اور اُخروی فلاح کا راستہ اس کے لیے آسان ہوجاتا ہے اور صفتِ رحمت کے اصول پر دُنیوی نظام کی تشکیل انسان کے دنیا و آخرت کے مسائل حل کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔

صحابہؓ کا ایمان افروز کردار

مولانا قاضی محمد یوسف، حسن ابدال

حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہٗ

حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہٗ (27 ق ھ/53ھ) کا نام عبدالکعبہ تھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد نبی کریم ﷺ نے آپؓ کا نام ”عبدالرحمٰن“ رکھ دیا۔ آپؓ کے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ اور خاندان کے لوگوں نے ابتدا ہی میں اسلام قبول کرلیا تھا، لیکن آپؓ سابقہ مذہب پر قائم رہے اور آپؓ نے فتح مکہ سے پہلے صلح حدیبیہ کے نزدیک اپنی رائے اور حقانیت کی بنیاد پر پورے شعور و اِدرک سے اسلام قبول کیا۔ اس کے بعد ہجرت بھی کی اور ہجرت کے بعد آپؓ اپنے والدؓ اور خاندان کے ساتھ مدینہ منورہ میں رہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ اور آپؓ دونوں سگے بہن بھائی تھے۔ آپؓ اپنے والدؓ کے سماجی و معاشی اور تجارتی کاموں میں مکمل معاون تھے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ فطرتاً نہایت شجاع و بہادر تھے، خصوصاً تیراندازی میں کمال درجے کی مہارت تھی اور ان خصوصیات میں تمام قریش میں ممتاز تھے۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ وہ عرب کے ان چنیدہ بہادروں میں سے ہیں، جنھیں ایک ہزار بہادروں کے برابر تسلیم کیا گیا۔ قبولِ اسلام کے بعد ان کے یہ جوہر دینِ حق کی حمایت و نصرت میں صَرف ہونے لگے۔ چناں چہ صلح حدیبیہ کے بعد دورِ نبوت میں جو غزوات پیش آئے، ان میں جاں بازی و پامردی کے ساتھ کامل سرگرمی سے شریک کار رہے۔ فتح مکہ، حنین، غزوۂ طائف اور تبوک میں بہ طور خاص شریک رہے۔ اس دوران جتنی دیگر سماجی و علمی سرگرمیاں ہوتیں، ان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔ نبی کریمؐ کی وفات کے بعد دورِ صدیقیؓ اور دورِ فاروقیؓ میں بھی جنگوں میں شریک ہوئے۔ جنگِ یمامہ میں تو آپؓ نے کمال ہی کر دکھایا۔ دشمن کے سات بڑے بڑے جنگی افسروں کو تنہا اپنے تیر کا نشانہ بنا کر ختم کردیا۔ اسی طرح قلعہ یمامہ کی دیوار میں شگاف تھا، مسلمان اس کے ذریعے اندر داخل ہونا چاہتے تھے، لیکن محکم بن طفیل نام کا سرداراس کی حفاظت کررہا تھا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے تاک لگا کر اس کے سینے پر ایسا تیر مارا کہ تڑپ کر خاک کا ڈھیر بن گیا اور مسلمان قلعہ میں داخل ہوگئے۔ اس طرح ان کی اس جاں بازانہ مہارت سے مسلمان جماعت نے اس موقع پر فتح حاصل کرلی۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ ظریف الطبع اور خوش مزاج تھے۔ آپؓ صحاح ستہ میں حدیث کے راویوں میں سے ہیں۔ متعدد حضرات نے آپؓ سے احادیث روایت کی ہیں۔ آپؓ حضرت علیؓ کی خلافت کے بعد حضرت امیر معاویہؓ کے دور میں مدینہ چھوڑ کر مکہ چلے آئے اور مکہ سے دس میل کے فاصلے پر ”حبشی“ نام کے ایک پہاڑی مقام پر قیام پذیر ہوئے۔ وہیں ایک رات حالتِ نیند میں ۵۳ ہجری میں وفات پائی اور مکہ میں آپؓ کی تدفین ہوئی۔ آپؓ کے ایک بیٹے محمدؒ کی کنیت ابوعتیق تھی۔ وہ بھی شرفِ صحابیت سے بہرامند تھے۔ ان کی نسل کثرت سے چلی۔ آپؓ کے دوسرے بیٹے عبداللہ کے بیٹے طلحہ تھے، جنھیں بڑا عروج نصیب ہوا اور سیّدنا صدیق اکبرؓ کی نسل سب سے زیادہ انھی سے چلی جو طلحیون کہلاتی تھی۔

قومی اور سماجی ویژن سے عاری، دھاندلی زدہ حکومتیں

2024ء کے دھاندلی شدہ الیکشن کے نتیجے میں جوڑ توڑ کی صورت قائم شدہ حکومت ویسے تو کسی بھی شعبے میں کچھ کرنے کے لائق نہیں، لیکن معاشی شعبے میں اس حکومت سے عوامی مایوسی آسمان کو چھونے لگی ہے۔ معاشی شعبے میں عوامی فلاح و بہبود کا کوئی منصوبہ اس حکومت کے ہاں کہیں دور دور تک نظر نہیں آ رہا، البتہ قوم کو بھکاری بنانے کے لیے بے تکے اشتہارات ہمارے میڈیا کی زینت بن رہے ہیں، جس میں سستی روٹی، قسطوں پر موٹر سائیکلوں اور لیپ ٹاپس کے علاوہ کیش بانٹنے کی نمائشی سکیمیں، پرائز بانڈز کے اشتہارات کی طرح سوشل میڈیا پر گردش کرتی رہتی ہیں۔

حال آں کہ اگر بھکاریوں کو پیسے تقسیم کرنے کے بجائے لوگوں کو ضروریاتِ زندگی کے بہتر ریٹس اور روزگار کے ذریعے قوتِ خرید دی جائے، جس میں لوگ اپنی آمدن کے اندر رہ کر اپنی ضروریات کو اپنی کمائی ہوئی دولت سے باعزت طریقے سے خرید سکیں، جس میں ان کی عزتِ نفس اور اعتماد دونوں بحال رہیں، لیکن ہماری حکومتیں کوئی واضح معاشی ویژن نہ ہونے کے سبب ایک دوسرے کی نقل میں نقد کیش بانٹنے کی ایسی ایسی سکیمیں اناؤنس کرتی ہیں جس میں کرپٹ عناصر کھل کر کھیلتے ہیں اور قوم کے اربوں روپے ان سکیموں کی راہ میں ضائع کر دیے جاتے ہیں۔

ہمارے ہاں نئی قائم ہونے والی وفاقی اور صوبائی حکومتیں ویژن اور بصیرت سے محروم ترقی کے نام پر ایسے فضول منصوبوں کا ایک سلسلہ شروع کر دیتی ہیں، جن میں سڑکیں، بائی پاس، انڈر پاسز اور سگنل فری کوریڈور وغیرہ بنائے جاتے ہیں، جو معاشی نقل و حرکت کے بجائے طاقت ور ٹھیکے داروں کو بھاری ٹھیکوں سے نوازنے کے لیے ہوتے ہیں، ان ترقیاتی فنڈز کا بیش تر حصہ ایم این اے ایز اور ایم پی اے ایز کی جانب سے پیش کردہ نام نہاد ''ترقیاتی'' اسکیموں پر خرچ کر دیا جاتا ہے۔

یہ ترقیاتی رقم ایم این اے ایز اور ایم پی اے ایز کو دینے کا مقصد ترقی نہیں، بلکہ واضح طور پر سیاسی وفاداریاں خریدنا ہوتا ہے، حال آں کہ پبلک سیکٹر ڈویلپمنٹ پروگرام (PSDP) کا بنیادی مقصد بہتر منصوبہ بندی سے عوامی ڈومینز میں پائیدار اور جامع ترقی کی سہولیات فراہم کرنا ہوتا ہے، جو اس نظام میں ایک خواب ہو کر رہ گیا ہے۔

ایک طرف تو حقیقی عوامی ترقی کے بجائے اپنے سیاسی پارٹنرز کو نوازنے کے لیے جعلی ترقیاتی سکیمیں شروع کروائی جاتی ہیں اور دوسری طرف ریاستی سطح پر کفایت شعاری نام کی کوئی چیز کہیں موجود نہیں ہے، حال آں کہ اجتماعی قومی دولت کے ضیاع کو روکنا، ریاستی فنڈز اور عوامی پیسوں کے احتساب کے اعلیٰ معیارات میں مضمر ہے، جو کسی بھی ملک کے سیاسی رہنما استعمال کرتے ہیں، جب کہ ہمارے ہاں اگر پارلیمنٹیریز کی تنخواہوں اور مراعات کی بات کی جائے تو دنیا کے اکثر ممالک میں جہاں سیاست دانوں کو بہت کم تنخواہ ملتی ہے، ان کو کوئی خصوصی مراعات بھی نہیں دی جاتیں، وہ ملک ہم سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں، جب کہ پاکستان میں ایسے سیاست دان ہیں جو ٹیکس دہندگان کے وسائل کو بے رحمی سے ہڑپ کرتے ہیں اور اپنے آپ کو لامحدود مراعات دیتے ہیں اور کام ٹکے کا نہیں کرتے۔

قرضوں اور غربت میں ڈوبا ہوا ملک پاکستان کا وزیر اعظم 12,000 مربع گز پر پھیلے ایک شان دار محل میں رہتا ہے۔ ہماری قومی اسمبلی کے سپیکر اور ڈپٹی سپیکر کل وقتی سرکاری لگژری کاروں اور ڈرائیوروں سے لطف اندوز ہوتے ہیں، جو عوامی خرچ پر رکھی جاتی ہیں۔ الاؤنس، خصوصی یومیہ الاؤنس، کنوینس الاؤنس، میڈیکل الاؤنس اس کے علاوہ ہیں۔ کیا اسلام آباد کے کانسٹی ٹیوشن ایونیو کے نئے مکینوں میں اتنی اَخلاقی جرأت اور سمجھ داری ہے کہ وہ اپنے اور تمام سرکاری افسران سے مراعات، الاؤنسز، سرکاری گاڑیاں، مفت پیٹرول، بجلی، گارڈز، ڈرائیورز، سیکریٹریز، معاونین، نائب قاصد اور دیگر متعدد امتیازی حقوق واپس لے سکیں؟ جس کا عام شہری خواب بھی نہیں دیکھ سکتا۔ پھر اس پر مستزاد یہ ہے کہ پاکستان میں اشرافیہ غریبوں کے مقابلے میں حکومتی سبسڈی سے کہیں زیادہ مستفید ہوتی ہے۔ یو این ڈی پی کی رپورٹ کے مطابق پاکستان میں اشرافیہ کو سالانہ 17 ارب ڈالر سے زیادہ کی سبسڈی دی جاتی ہے۔

دھاندلی شدہ انتخابات کے نتیجے میں وجود میں آنے والی حکومت پچھلے پیکج کی قسط وصول کر کے ہڑپ کرنے کے بعد آئی ایم ایف سے نئے پیکج کا مطالبہ بھی کر رہی ہے۔ روزمرہ کے اخراجات کے لیے آئی ایم ایف سے حاصل شدہ قرض کی لت پر ملک کا بڑھتا ہوا انحصار پاکستانی عوام کی اکثریت کے لیے تشویش کا باعث ہے، کیوں کہ اس بات کا کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے کہ ان پروگراموں سے معیشت میں کوئی بامعنی بہتری آئی ہے۔

معاہدے کے مطابق، حکومت نے طے شدہ اہداف حاصل نہ ہونے کی صورت میں جاری مالی سال کے اختتام تک مزید ٹیکس عائد کرنے کا عہد کیا ہے۔ اس سے لوگوں کی پریشانیوں کا کوئی خاتمہ نہیں ہوگا، کیوں کہ آئی ایم ایف نے باضابطہ طور پر تسلیم کیا ہے کہ پاکستان ایک اَور درمیانی مدت کے پروگرام کا خواہاں ہے اور اس مقصد کے لیے بات چیت کا آغاز ہو چکا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستان قرضوں میں اس بُری طرح پھنسا ہوا ہے کہ ہر جاری پروگرام کی تکمیل پر آئی ایم ایف سے نئے بیل آؤٹ پیکج کے حصول کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے۔ یہ تقریباً تمام متواتر حکومتوں کے بار بار دعووں کے باوجود ہے کہ آئی ایم ایف کے ساتھ ان کا پروگرام آخری ہوگا۔ کوئی یہ سمجھنے میں ناکام ہے کہ اگر ہم قرض کے تازہ انجکشن کے بغیر اپنے معاملات اور قرض کو سنبھال نہیں سکتے تو پھر کیا ہوگا۔

اب عوام کو سوچنا ہوگا کہ عوام سے ووٹ لینے کا ڈھونگ رچانے والے در پردہ کن قوتوں کے نمائندہ ہیں؟ یہ انھیں قوتوں کے نمائندہ ہیں، جن کے لیے عوام پر آئے دن نئے سے نئے ٹیکس لگا کر ان کے لیے باج گزاری کی جاتی ہے۔ یہ عوام کو کوئی معاشی ریلیف دینے کے بجائے ان کے زخموں پر آئی ایم ایف کا نمک چھڑکتے رہتے ہیں۔ (مدیر)

افکارِ شاہ ولی اللہؒ

مترجم: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

اخلاص کی اہمیت اور ریاکاری کی مذمت

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''حُجّةُ اللّٰہِ البالِغه'' میں فرماتے ہیں:

''جاننا چاہیے کہ نیت روح ہے اور عبادت جسم ہے۔ جسم بغیر روح کے زندہ نہیں رہتا۔ بدن سے جدا ہونے کے بعد روح زندہ رہتی ہے، لیکن زندگی کے کامل آثار بغیر بدن کے ظاہر نہیں ہوتے۔ اسی لیے:

(1) اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ''اللہ کو نہیں پہنچتا اُن کا گوشت اور نہ اُن کا لہو، لیکن اس کو پہنچتا ہے تمھارے دل کا ادب''۔ (22-الحج:37)

(2) اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''إنّما الأعمالُ بالنِّیّات'' (اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے)۔ (متفق علیہ، مشکوٰۃ، حدیث:1)

نبی اکرم ﷺ نے بہت سے مقامات پر بیان فرمایا کہ جس آدمی نے کوئی عمل کرنے کی نیت کی ہو اور کسی رُکاوٹ کی وجہ سے وہ عمل نہ کرسکا ہو، اُس آدمی سے تشبیہ دی ہے کہ جس آدمی نے واقعی وہ عمل کیا ہے۔ مثلاً:

(1) کسی ایسے وِرد اور وظیفے کی پابندی کرنے والے مسافر اور مریض حالتِ سفر اور مرض میں اُس وِرد کی پابندی نہ کرسکے ہوں تو اُن کے نامۂ اَعمال میں وہ عمل لکھ دیا جاتا ہے۔

(2) اسی طرح وہ آدمی کہ جو مال کے خرچ کرنے کا پختہ عزم رکھتا ہو، لیکن اپنی محتاجگی کی وجہ سے ایسا نہ کرسکا ہو تو اُس کے نامۂ اَعمال میں بھی یہ لکھ دیا جاتا ہے کہ گویا کہ اُس نے مال خرچ کیا۔

(نیّت کی تعریف اور حقیقت)

نیّت سے میری مراد یہ ہے کہ کسی عمل پر اُبھارنے والی وہ معنویت کہ جس میں:

(اُ) اُن باتوں کی تصدیق ہوتی ہو، جن کی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی زبانی خبر دی ہے کہ فرماں بردار کو یہ ثواب ملے گا اور نافرمان کو یہ سزا ملے گی۔

(ب) یا ایسی دلی محبت پیدا ہو کہ اللہ نے جن کاموں کے کرنے یا جن کاموں سے رُکنے کا حکم دیا ہے، انھیں دل و جان سے تسلیم کرے اور اُن کے مطابق عمل کرے۔

(احادیث میں ریاکاری کی مذمت)

یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایسا عمل کرنے سے منع فرمایا ہے، جو ریاکاری کے طور پر کسی کو دکھانے اور سنانے کے لیے کیا جائے۔ آپ ﷺ نے بڑی صراحت کے ساتھ ان دونوں کاموں کی بُرائی بیان کی ہے۔ اسی سلسلے میں درج ذیل احادیث ہیں:

(1) آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے دن سب سے پہلے تین آدمیوں کا فیصلہ کیا جائے گا: (۱) وہ آدمی جو جہاد میں اس لیے قتل ہوا تا کہ اُس کے بارے میں لوگوں میں یہ بات کہی جائے کہ وہ بڑا بہادر آدمی تھا۔ (۲) وہ آدمی جس نے اس لیے علم حاصل کیا اور لوگوں کو تعلیم دی کہ یہ کہا جائے کہ وہ بڑا عالم ہے۔ (۳) وہ آدمی جس نے اس لیے لوگوں میں مال خرچ کیا، تا کہ لوگ کہیں کہ وہ بڑا سخی ہے۔ ان تینوں کو چہروں کے بل گھسیٹ کر جہنم میں پھینکنے کا حکم دیا جائے گا''۔ (مشکوٰۃ، حدیث:205)

(2) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں (دوسرے) تمام شریکوں کے مقابلے میں شرک سے سب سے زیادہ بے نیاز ہوں، جو کوئی ایسا عمل کرے جس میں وہ میرے ساتھ میرے علاوہ کسی اَور کو بھی شریک کرے تو میں اس کو اس شریک کے حوالے کردیتا ہوں، جس کو اُس نے شریک ٹھہرایا''۔ (مشکوٰۃ، حدیث:5315)

(اچھے اعمال پر لوگوں میں تعریف ہونے سے متعلق احادیث کا مطلب)

(1) جہاں تک حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت کردہ اس حدیث کا تعلق ہے، جس میں آپؐ سے پوچھا گیا: یارسول اللہ! آپ کی اس آدمی کے بارے میں کیا رائے ہے، جس نے خیر کے کاموں میں سے کوئی کام کیا ہو اور لوگ اس کی تعریف کرتے ہوں؟ تو آپؐ نے فرمایا: ''یہ مسلمان کے لیے دنیا میں خوش خبری ہے''۔ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ، حدیث:5317)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب مؤمن کے عمل کرنے کا مقصد صرف اللہ کی رضا ہو اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس عمل کو زمین میں قبولیت بخشی ہو اور اس وجہ سے لوگ اُس انسان سے محبت کرتے ہوں۔

(2) اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضور اقدس ﷺ سے پوچھا: یارسول اللہ! میں اپنے گھر میں اپنے مصلے پر نماز پڑھ رہا تھا، اتنے میں ایک آدمی میرے گھر میں داخل ہوا، اُس نے مجھے نماز کی اس حالت میں دیکھا تو مجھے اچھا لگا۔ تو آپؐ نے فرمایا: ''اے ابوہریرہ! اللہ آپ پر رحم کرے، آپ کو دو اَجر ملیں گے: ایک تو یہ کہ تم نے خفیہ طور پر تنہائی میں نماز پڑھی اور دوسرے یہ کہ تم نے نیکی کا ایک کام اعلانیہ طور پر کیا''۔ (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ، حدیث:5322)

اس حدیث میں حضرت ابوہریرہؓ کا نماز کی اپنی اس حالت کو اچھا سمجھنے کا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے عمل صرف اچھا سمجھنے کی نیت سے نہیں کیا، بلکہ یہ اچھا سمجھنا عمل پر غالب ہونے کے بجائے مغلوبیت کی صورت رکھتا ہے کہ از خود ہو گیا۔

جہاں تک آپؐ نے ''اجر السِّرّ'' (تنہائی کے عمل کا اجر) بیان کیا ہے تو اس سے مراد وہ اخلاص اور للّٰہیت ہے، جو کسی کام کو چھپ کر کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اور ''اجر العَلانیّة'' (اِعلانیہ اجر) کا مطلب یہ ہے کہ دین کو غالب کرنے اور سنتِ راشدہ کے پھیلاؤ اور فروغ کا اجر بھی ملے گا کہ دیکھنے والے لوگ اُس اچھے عمل کو دیکھ کر اُس پر عمل کریں گے''۔

(أبواب الإحسان، باب: 3، بقیّةُ مَباحث الإحسان)

اسلامی دور کی ناقابلِ فراموش شخصیات

مفتی محمد اشرف عاطف، لاہور

بیت الحکمت سے وابستہ علما و سائنس دان؛

ابو یوسف یعقوب بن اسحاق الکِندیؒ

قرونِ وسطیٰ کا دور انسانی فکر و فلسفے کے عروج کا دور تھا، جس کا مرکز بغداد تھا۔ جہاں علومِ عقلیہ پر تحقیق کے لیے بیت الحکمت قائم کیا گیا۔ جس سے وابستہ اہلِ علم میں سے ابو یوسف یعقوب بن اسحاق الکِندیؒ تھے، جن کو اسلامی دنیا کے اوّلین حکما و فلاسفہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان کے بارے میں یہ بھی مشہور ہے کہ عرب دنیا میں فلسفہ و حکمت کو متعارف کرانے والے الکِندی ہی ہیں۔ آپ کا تعلق عرب کے مشہور قبیلے ''بنو کِندا'' سے تھا۔ یہ قبیلہ اسلام سے قبل جنوبی عرب، حضرموت، یمامہ اور بحرین پر حکمران رہا۔ صحابیٔ رسول حضرت اشعث بن قیسؓ آپ کے اجداد میں سے ہیں۔ آپ کے والد خلفائے عباسیہ؛ ہادی، مہدی اور ہارون الرشید کے زمانے میں کوفہ میں حکومت کے اعلیٰ مناصب پر فائز رہے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم کوفہ اور بصرہ میں ہوئی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے بغداد گئے، جو عباسی دور میں علم کا گہوارہ مانا جاتا تھا۔ بغداد کی علمی و فکری فضا نے آپ کے ذہن و فکر کو جلا بخشی۔ آپ نے وہاں اکابر اہلِ علم سے کسبِ فیض کیا۔ کئی زبانوں میں مہارت حاصل کی۔ بیت الحکمت میں جب دارالترجمہ قائم ہوا تو مامون الرشید نے آپ کو اس کا نگران بنا دیا۔ چناں چہ آپ نے یونانی زبان میں فلسفے کی کتابوں اور مخطوطات خصوصاً ارسطو کی کتب کا عربی میں ترجمہ کیا۔ اسی لیے ان کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ارسطو کے علوم و افکار سے دنیا کو روشناس کروانے والے الکِندی ہی ہیں۔

الکِندی ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے۔ اس لیے ان کی تحقیق کا دائرہ بھی ہمہ گیر اور وسیع ہے۔ آپؒ نے فلسفہ، ریاضی، طب، فلکیات، جغرافیہ اور موسیقی ایسے علوم و فنون پر کتابیں تحریر کیں۔ ان مختلف موضوعات پر تقریباً دو سو ساٹھ کتابیں تحریر کیں، جن میں فلسفے پر آپ کی ''الفلسفة الأولیٰ فیما دون الطّبیعات و التّوحید'' اور ''ان لا تنال الفلسفة إلا بعلم الرّیاضیات'' بہت معروف ہیں۔ ان کی کتاب ''الفلسفة الأولیٰ'' کو چار حصوں پر منقسم کیا گیا ہے۔ ہر حصے میں ایک الگ موضوع پر بحث کی گئی ہے۔ مثلاً پہلے حصے میں فلسفہ اور اُس کی ناگزیریت کو موضوعِ بحث بنایا گیا ہے۔ دوسرے حصے میں اس فلسفیانہ نقطہ نظر کی تردید کی گئی ہے کہ یہ دنیا ابدی ہے، اس کو وجود میں لانے کے لیے کسی خالق کی ضرورت نہیں۔ گویا کائنات غیر ابدی ہونے کو منطقی و فلسفیانہ دلائل سے ثابت کیا گیا ہے۔ تیسرے اور چوتھے حصے میں خدا کی وحدانیت کا تصور پیش کیا ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ خدا ایک حقیقت ہے، جو تمام وضاحتوں سے بالاتر ہے۔ گویا انھوں نے الٰہیاتی مسائل کو فلسفیانہ طرزِ فکر سے حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ الکِندی نے فلسفے کے علاوہ دیگر علوم پر بھی خامہ فرسائی کی ہے۔ انھوں نے سمندر میں پیدا ہونے والے مدوجزر اور بادلوں کی گرج چمک سے پیدا ہونے والے موسمیاتی رُجحانات پر بھی تحقیق کی ہے۔ سیاسیات، اَخلاقیات اور رُوح سے متعلق مسائل پر بھی تحقیق و ریسرچ کی ہے۔

ملکی معیشت

ملکی معیشت
ملکی معیشت

محمد کاشف شریف، اسلام آباد

تباہی کا نسخہ

جدید نوآبادیاتی نظام کے وضع کیے جانے کے بعد قوموں کو غلام بنانے کے لیے ایک ہی عالمی معاشی نسخہ اِکسیر کا کردار ادا کرتا رہا ہے۔ چناں چہ مصر، ترکی، نائیجیریا اور انڈونیشیا بڑے اسلامی ممالک ہیں، ان کی معاشی تاریخ کا جائزہ لیں تو جدید نوآبادیاتی تاریخ کے مختلف ادوار میں ان ممالک کو ہُو بہ ہُو یکساں مسائل کا سامنا رہا۔ ترکی کی آبادی 8.5 کروڑ نفوس پر مشتمل ہے اور پاکستان سے تین گناہ زیادہ پیداوار کا یہ ملک تاریخی مہنگائی کے دور سے گزر رہا ہے، جو اَب 61 فی صد سے بھی زائد ہو چکی ہے۔ مقامی کرنسی 'لیرا' گزشتہ ایک سال میں ڈالر کے مقابلے میں آدھی قدر کھو بیٹھی ہے اور اس ملک پر 500 ارب ڈالر کا قرض ہے۔ مقامی سطح پر حکومت نوٹ چھاپ چھاپ کر گزارا کر رہی ہے اور عوام ہے کہ حکمرانوں کی تباہ کن حکمتِ عملی کا بدترین نشانہ بن رہے ہیں۔

دوسری طرف گزشتہ ایک سال کے دوران گیارہ کروڑ کی آبادی کے ملک مصر میں بھی مہنگائی 36 فی صد سے بڑھ چکی ہے، پیداوار کے لحاظ سے یہ پاکستان سے ڈیڑھ گنا بڑا ملک ہے، لیکن ساڑھ ارب ڈالر کی لاگت سے بننے والا زیرِ تعمیر نیا دارالحکومت اور اس کے علاوہ حکمرانوں کی شاہ خرچیاں بالآخر مصر کو معاشی بربادی کی نہج پر لے آیا ہے۔ 168 ارب ڈالر کے قرض کے ساتھ یہ ملک آئے دن دیوالیہ ہونے کے دہانے پر پہنچا ہوتا ہے۔ صرف 2024ء میں مصر نے بیرونی قرضوں پر 32.4 ارب ڈالر سود کی مد میں دینے ہیں۔ اس بڑی ادائیگی کے لیے مصر کی شمالی ساحلی پٹی پر موجود ''رأس الحکمہ'' نامی علاقے کی 42 ہزار ایکڑ زمین UAE کو 35 ارب ڈالر میں بیچ دی ہے۔ یوں محض ایک سال کے لیے سود کی واپسی ممکن بنائی گئی ہے۔ معلوم نہیں اگلے سال وہاں کیا کِیا جائے؟! اتنی بڑی رقم کے باوجود مصری پونڈ اپنی اصل قیمت پر واپس نہیں آیا۔ گویا مسئلہ ابھی ختم نہیں ہوا، لیکن ٹلا ضرور ہے۔

نائیجیریا بائیس کروڑ آبادی کا ملک ہے۔ اس کی سالانہ پیداوار پاکستان سے ڈیڑھ گنا زیادہ ہے۔ تیل کی دولت سے مالا مال یہ ملک غربت کی چکی میں پِس رہا ہے۔ اس کی 40 فی صد آبادی غربت کی لکیر کے نیچے زندگی گزار رہی ہے۔ اس پر 108 ارب ڈالر کا قرض ہے۔ جنوری 2024ء میں وہاں افراطِ زر 30 فی صد تک پہنچ چکا ہے۔ خطرہ ہے کہ مزید ایک کروڑ نائیجیری باشندے خطِ غربت سے نیچے چلے جائیں گے۔ گزشتہ ایک سال میں نائیجیری 'نائرا' اپنی آدھی قدر کھو چکا ہے۔ تیل کی بے پناہ برآمدات کے باوجود نائیجیریا اتنا مقروض ہے۔ یہ سراسر تجارتی عدمِ توازن کی وجہ سے ہے۔ مضحکہ خیز امر یہ ہے کہ یہ ملک 30 ارب ڈالر کا خام تیل برآمد کرتا ہے اور اندرون ملک میں مطلوبہ مقدار میں تیل صاف کرنے کی صلاحیت نہ ہونے کی وجہ سے 20 ارب ڈالر کا صاف تیل درآمد کیا جاتا ہے۔ (بقیہ: صفحہ 12 پر)

عالمی منظرنامہ

مرزا محمد رمضان، راولپنڈی

صہیونی جارحیت کا منہ توڑ جواب

انسان نے غور و فکر کے عمل سے جو کچھ دریافت کیا ہوتا ہے، اس کے اظہار کا فطری تقاضا اُبھر کر سامنے آتا ہے۔ جاہلیت کا دور ہو یا ترقی یافتہ عہد، جنگ ہی طاقت کے تعین کا فیصلہ کرتی ہے۔ کیوں کہ جنگ میں جملہ شعبوں کی ترقیات شاملِ حال ہوتی ہیں۔ ہر فریق اپنی استعداد اور قابلیت کے مطابق جنگ میں حصہ لیتا ہے۔ انسانیت کا نمائندہ بھی جنگ لڑتا ہے، لیکن اس کا ہدف صرف سیکورٹی فورسز ہوتی ہیں۔ جو لوگ جنگ میں شریک نہیں ہوتے، انھیں نقصان نہیں پہنچایا جاتا۔ مثلاً روس نے پوری یوکرین جنگ میں شہری علاقوں پر حملہ نہیں کیا۔ حزب اللہ، حماس اور حوثیوں نے اسرائیل کی شہری تنصیبات کو نشانہ نہیں بنایا۔ گروہی مفادات کے حامل فریق کے پاس جنگ کا کوئی ٹھوس جواز نہیں ہوتا۔ اس لیے وہ جنگی قوتوں کا مقابلہ کرنے سے گریز کرتا ہے۔ خوف و ہراس پیدا کرنے کے لیے کمزور حصوں پر حملہ کرتا ہے۔ عورتوں، بچوں اور بوڑھے افراد کو ہلاک کرتا ہے۔ جس کی عملی شکلیں؛ غزہ، ایران میں عوامی اجتماعات اور ماسکو کے کنسرٹ ہال میں سینکڑوں افراد کا بہیمانہ قتل ہیں۔ اس کا عملی ثبوت عالمی عدالتِ انصاف کے حالیہ فیصلہ جات ہیں، جن میں اسرائیل کو جنگی جرائم کے ارتکاب کے جرم میں ''جارِح'' قرار دیا گیا ہے۔

اقوامِ متحدہ کے چارٹر کی شق نمبر 51 کہتی ہے کہ: ''ہر ملک کو اپنے دفاع کا مکمل حق حاصل ہے۔ اگر کوئی ملک کسی دوسرے ملک کی سلامتی کو مجروح کر کے جارحیت کا مرتکب ہوتا ہے تو مجروحہ ملک کو بدلہ لینے کا مکمل حق حاصل ہے''۔ یکم/ اپریل 2024ء کو اسرائیل نے ایرانی سفارت خانہ واقع شام کے دارالحکومت دمشق میں حملہ کر کے 16 افراد کو شہید کر دیا تھا۔ سفارت خانے کی عمارت مکمل طور پر تباہ ہوگئی۔ ملک کا سفارت خانہ متعلقہ ملک کا علاقہ کہلاتا ہے۔ سفارت خانے پر حملہ ملک پر حملہ تصور کیا جاتا ہے۔

14/ اپریل 2024ء کو ایران نے بدلہ لینے کے لیے اسرائیل پر حملہ کر دیا۔ امریکا، برطانیہ، فرانس اور جرمنی نے اسرائیل کو ایرانی حملے سے محفوظ رکھنے کے لیے مکمل دفاعی تعاون فراہم کیا، جو مغرب کی آج تک کی حاصل تحقیق پر مبنی تھا۔ اسرائیل کی حفاظت کے لیے آئرن ڈوم کی تنصیب کی گئی۔ ایران نے حملے سے دو یوم قبل اسرائیل کو آگاہ کیا اور ساتھ ہی اس کے اتحادیوں کو بھی متنبہ کیا کہ اگر کسی نے درمیان میں آنے کی غلطی کی تو نتائج کا ذمہ دار خود ہوگا۔ اسرائیل نے جس بیس (Base) سے ایرانی سفارت خانے پر ہوائی حملہ کیا تھا، جہاں اس کے ایف 35 نوعیت کے جدید ترین طیارے حفاظت کے لیے رکھے تھے، ایران نے حملہ کر کے انھیں تباہ و برباد کر دیا۔ حملے کے نتیجے میں اسرائیل کے جنوبی شہر نیویٹم (Nevatim)، ڈیمونا (Dimona) اور ایلات (Eilat) بہت بُری طرح متأثر ہوئے، حتیٰ کہ اس کی نیوکلیئر تنصیبات بھی متأثر ہوئیں۔ اسرائیل میں 720 مقامات ہوائی حملے کی زد میں آئے۔ اسرائیلی فوج کے ترجمان ڈینئیل ہیگری (Daneil Hagari) کا کہنا ہے کہ حملے میں 120 بیلسٹک میزائل، 170 ڈرونز اور 30 سے زیادہ کروز میزائل استعمال ہوئے۔ (الجزیرہ، 15/ اپریل 2024)

ایران کے اسرائیل پر حملے کے بعد بلایا گیا اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل کا ہنگامی اجلاس رَسمی کارروائی کے بعد ملتوی ہوگیا۔ سیکرٹری جنرل انتونیو گوترس کے مطابق: ''مشرقِ وسطیٰ تباہی کے دہانے پر ہے۔ خطے کو تباہ کن جنگ کے خطرے کا سامنا ہے۔ وقت آ گیا ہے کہ کشیدگی کم اور زیادہ تحمل کا مظاہرہ کیا جائے''۔ امریکا کے نائب مندوب رابرٹ ووڈ نے کہا ہے کہ: ''سلامتی کونسل ایران اور اس کے شراکت داروں سے حملے بند کروائے اور ساتھ ہی ایران کے جارحانہ اقدامات کی مذمت کرے''۔ دوسری طرف ایران کے سفیر امیر سعید ایروانی نے کہا ہے کہ: ''آپریشن مکمل طور پر اپنے دفاع کے حق میں کیا۔ اسرائیلی جارحیت کے جواب میں فوجی اَہداف کو ڈرونز اور میزائلوں سے نشانہ بنایا گیا''۔ اقوامِ متحدہ میں چین کے مستقل مندوب دائی بنگ نے گزشتہ ماہ دمشق میں ایرانی قونصل خانے پر اسرائیلی حملے کی مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ: ''اس حملے کے نتیجے میں ہی اسرائیل کو جوابی کارروائی کے طور پر ایرانی حملے کا سامنا کرنا پڑا ہے''۔

اسرائیلی فوج کے مطابق: ''ایران نے 14/ اپریل کی رات کو تقریباً 300 ڈرونز اور میزائلوں کے ذریعے حملہ کیا تھا''۔ ایرانی فوج کے مطابق: ''اس نے اپنے تمام اہداف حاصل کر لیے ہیں۔ اسرائیلی سرزمین پر پچھلے 70 سالوں کی تاریخ میں پہلی مرتبہ کسی نے حملہ کیا ہے''۔ (بی بی سی، 17/ اپریل 2024ء) روسی صدر نے کہا ہے کہ: ''اگر کسی طاقت نے جنگ میں ایران کے خلاف اسرائیل کا ساتھ دیا تو روس ایران کے ساتھ ہوگا''۔

آج حالت یہ ہے کہ اسرائیلی وزیرِاعظم بنیامین نیتن یاہو اپنے اتحادیوں کی فون کال سننے سے گریز کر رہا ہے۔ امریکا کے جنگی ماہرین کا کہنا ہے کہ اگر اسرائیل نے ایران کے حملے کے نتیجے میں جوابی حملہ کرنے کی کوشش کی تو وہ تباہ و برباد ہو جائے گا۔ کیوں کہ ابھی تک تو ایران نے محض علامتی حملہ کیا ہے، جس نے ہمارے تمام تر حفاظتی حصاروں (جو 7 حصوں پر مشتمل تھیں) کو تہہ تیغ کر دیا ہے۔ ایرانی حملہ اپنے ہدف کو پہنچ چکا ہے۔ آج روس نے ایران کو دفاعی میزائل نظام فراہم کر دیے ہیں، جنھیں ایران کی سرحدوں پر نصب کر دیا گیا ہے۔ دستیاب معلومات کے مطابق اسرائیل کا ایران پر کوئی بھی حملہ کامیاب نہیں ہو سکے گا۔ اسرائیل کو چاہیے کہ ایران پر حملہ کرنے کی غلطی نہ کرے، یہ غلطی اسے صفحۂ ہستی سے بھی مٹا سکتی ہے۔ اس لیے کہ ظلم جب بھی بڑھتا ہے، مٹ جاتا ہے۔ آج ظالموں کے مقابلے میں بہت سے آزاد ممالک اپنی اجتماعیت قائم کر چکے ہیں۔

کل تک امریکا اور اس کے اتحادی چھوٹی چھوٹی قوموں پر حملے کر کے محض مذمت کا قصیدہ پڑھا کرتے تھے۔ آج حالت یہ ہے کہ خود امریکا حملے کی مذمت کرنے کی حیثیت کو پہنچ چکا ہے۔ اپنے اتحادیوں کو مشورہ دے رہا ہے کہ ایران پر حملہ کرنے کی غلطی مت کرنا، جو کچھ ہو چکا ہے بس اسی پر اکتفا کرو۔ ارشادِ الٰہی ہے: ''یہ دن ہیں جو ہم انسانوں کے درمیان تبدیل کرتے رہتے ہیں''۔

خطبات و بیانات

رپورٹ: سیّد نفیس مبارک ہمدانی، لاہور

اقوام کی ترقی کا قرآنی نظام اور لائحہ عمل

12/اپریل 2024ء کو حضرت اقدس مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ لاہور میں خطبہ جمعۃ المبارک ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا:

''معزز دوستو! انسانی معاشرے اس وقت تک وجود میں نہیں آتے، جب تک کہ کسی معاشرے کا قومی نظام مستحکم بنیادوں پر قائم نہ ہو۔ قومی نظام سے ہی معاشرے اپنی صورت گری کرتے ہیں۔ انسانیت کی عزت قائم ہوتی ہے۔ اس قوم کا وقار پیدا ہوتا ہے۔ اقوام کو باعزت بنانے اور انھیں ترقی دینے کے لیے اللہ نے کتابِ مقدس قرآن حکیم نازل فرمائی۔ جو قوم اس کی ہدایات پر عمل نہ کرے، وہ قومی حوالے سے زوال سے دوچار ہو جاتی ہے۔ اس کی قومی شناخت مجروح ہو جاتی ہے۔ اس کا ریاستی ڈھانچہ تباہی اور بربادی کا شکار ہو جاتا ہے۔ قرآن حکیم کی تعلیمات اقوام میں وہ شعور پیدا کرتی ہیں کہ وہ اپنی قومی زندگی اور وقار کو بہتر بنانے کے لیے تگ ودو اور کوشش کریں۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا، وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ''۔ (صحیح مسلم، حدیث: 1897) (اللہ تعالیٰ اس کتاب (قرآن) کے ذریعے بہت سی اقوام کو عروج اور رفعت عطا کرتے ہیں اور بہتوں کو اس کے ذریعے سے نیچے گراتے ہیں۔) یہ عروج و زوال میں جانا بھی قوموں کے اپنے اختیار میں ہوتا ہے۔ اللہ پاک نے فرمایا ہے: ''بے شک اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا، جب تک وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلے''۔ (13-الرعد: 11) یہ آیتِ مبارکہ اور یہ حدیث مبارکہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں۔ نیچے گری ہوئی قوم اگر اپنے آپ کو بدلنے کے اقدامات کرنے کے لیے تیار ہو، اجتماعی ڈسپلن کو قبول کرے تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرتا ہے اور وہ قوم پستی کی حالت سے نکل کر رفعت کی حالت میں چلی جاتی ہے۔ اور اگر کوئی قوم رفعت کی حالت میں ہو، ترقی اور کامیابی کے مراحل سے گزر رہی ہو، اور وہ قرآن حکیم کے اُصولوں اور ضابطوں کو نظرانداز کرے، تو دوبارہ اپنے ہی اُن کرتوتوں کو اور اپنی ہی ان بداعمالیوں کے نتیجے میں پستی میں چلی جاتی ہے۔

اب یہاں بات یہ سمجھنے کی ہے کہ قوم ''قوم'' تب بنتی ہے کہ جب وہ ایک منظم طریقۂ کار کے مطابق قائم کردہ ایک سسٹم، ایک نظام کے تحت زندگی بسر کرنے پر آمادہ ہو۔ اس میں سوسائٹی سے متعلق ہر کام کرنے کے درست طریقہ ہائے کار موجود ہوں۔ اگر افراد کا بکھرا ہوا انبوہ ہو، جنگل کا قانون رائج ہو، سارے شیر، لگڑ بھگے اکٹھے ہو جائیں تو ایک قوم نہیں بنے گی۔ وہاں تو جو طاقت ور ہوگا، وہ اپنا کام کرے گا۔ کمزور کو کھا جائے گا۔ کوئی ڈسپلن، نظم و نسق اور طریقۂ کار نہ ہو تو اُسے قوم نہیں کہتے۔ قوم تب بنتی ہے جب وہاں تمام چھوٹے بڑے، طاقت ور کمزور کی کوئی تفریق نہ ہو۔ وہاں کا قانونی نظام، سیاسی و معاشی نظام یکساں طور پر تمام انسانوں کے لیے مفید کردار ادا کرے''۔

قوم کی تعریف اور سیرتِ رسول ﷺ کی روشنی میں قومی تقاضے

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''عربی زبان کا لفظ ''قوم'' اُن تمام افراد پر بولا جاتا ہے جو کسی جغرافیائی حدود میں اپنے سیاسی، معاشی، قومی مفاد میں یکساں حیثیت رکھتے ہوں اور سب سیاست و معیشت اور قانون کی نظر میں برابر ہوں۔ انھوں نے ایک ہی فکری، سیاسی اور معاشی سسٹم قبول کیا ہو۔ اس کی جغرافیائی حدود بھی اُس کے ساتھ کردار ادا کرتی ہیں۔ اس قوم کو ایک دوسرے کے ساتھ لڑیوں میں پرونے کے لیے ایک مربوط نظام کی ضرورت ہوتی ہے۔ ''نظام'' عربی زبان میں اُس دھاگے کو کہتے ہیں، جو بکھرے ہوئے دانوں کو ایک جگہ جوڑ کر تسبیح، ہار، یا مالا بنا دے۔ کسی ریاست کے پچیس کروڑ لوگوں کو ایک دائرے کے اندر جوڑنے والا اور تمام لوگوں کی شیرازہ بندی کرنے والا، انھیں ایک لڑی (اتھارٹی) میں پرونے والا دھاگہ ''نظام'' کہلائے گا، یہی قوم کو ایک شناخت دیتا ہے۔ اس نظام کا بنیادی اُصول اُس جغرافیائی حدود میں بسنے والے تمام افراد کی جان، مال، عزت آبرو کا تحفظ ہے۔ اگر تحفظ نہیں ہے تو جنگل کا قانون ہے، وہ نظام نہیں ہے، بدنظمی ہے۔

نبی اکرم ﷺ دنیا میں تشریف لائے تو عرب بہت ہی پستی اور کمزوری کی حالت میں تھے۔ بہ ظاہر اُن کے سردار بھی تھے، لیکن قوم میں انتشار تھا۔ قریش کی آپس کی لڑائیاں تھیں، یثرب میں اوس اور خزرج کی لڑائیاں تھیں، ذرا ذرا سی بات پر قبیلوں کی لڑائیوں میں انسانوں کی جان، مال، عزتیں محفوظ نہیں تھیں۔ رسول اللہ ؐ نے قرآنی اَساسی اُصولوں پر عربوں کا ایک عالم گیر نظام تشکیل دیا۔ انھیں ایک ''قومی'' شناخت دی، جو نہ صرف اپنی قوم کے لیے، بلکہ دنیا بھر کی اقوام کے لیے عدل، امن، معاشی خوش حالی کا نظام قائم کرے، جس میں نسل، قبیلے اور برادری کی عصبیت نہ ہو۔

مکہ مکرمہ میں آپؐ نے تیرہ سال میں مختلف الخیال، مختلف الافکار، مختلف النسل رکھنے والے فرقوں کو ایک چھتری کے نیچے جمع کیا۔ انھیں ایک لڑی میں پرو دیا، ان میں تنظیم پیدا کی۔ انھیں یہ اُصول سکھایا کہ تم نے ڈسپلن کی پاسداری کرنی ہے۔ جو حکم محمد مصطفیٰؐ دیں، تمھیں اُسے ماننا ہے، خواہ وہ کسی بھی قبیلے کا فرد ہو۔ وہی لوگ جو آپؐ سے پہلے تین سو ساٹھ بت پوجتے تھے، ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، وہ قوم بن گئے۔ اسی لیے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے نبی اکرمؐ کی بعثت سے لے کر مکہ مکرمہ کے تیرہ سال تک آپؐ کو خلافتِ باطنہ کا سربراہ قرار دیا کہ یہ بھی ایک طرح کی حکمرانی تھی جو دلوں پر تھی، جس میں آپؐ نے تعلیم، تربیت، نظم و نسق اور ذمہ داریوں کا فہم و شعور سکھایا۔ ملکی نظام قائم کرنے سے پہلے اگر کوئی افرادی قوت تنظیمی لڑی میں پروئی ہوئی نہ ہو تو وہ کبھی بھی ملکی اور قومی نظام درست خطوط پر استوار نہیں کرسکتی۔ پہلے اُس کو رضاکارانہ طور پر بغیر کسی جبر اور اتھارٹی کے، خود کو ڈسپلن کا پابند بنانا، اس کی عادت بنانا ضروری ہے کہ وہ انسانیت کے ہمہ گیر اُصول پہلے اپنے اوپر اپلائی کرے، تا کہ خلافت ظاہرہ کو قائم کرسکے''۔

معاشرے کی ترقی کے دو اَساسی اُصول
اور مسلمانوں کا ہزار سالہ دور

حضرت آزادرائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

’’انسانی معاشروں کو استوار کرنے کے دو بنیادی اَساسی اُصول ہوتے ہیں: ایک کا تعلق صداقت سے ہے اور دوسرے کا تعلق امانت اور دیانت سے ہے۔ سیاسی عہدہ ہو یا مالی ذمہ داری ہو، ان دونوں میں صداقت اور امانت کا موجود ہونا لازمی اور ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے قبل از نبوت ہی اپنی جوانی سے لے کر نبوت ملنے تک بیس سال میں یہ صداقت اور امانت دُشمنوں سے منوائی کہ ’’صادق‘‘ اور ’’امین‘‘ آپ ؐ کا لقب قرار پایا۔ انھی اصولوں پر آپ ؐ نے مکہ مکرمہ میں عرب قوم کی قیادت کرنے والی جماعت تیار کی۔ پھر انھی بنیادوں پر یثرب میں دس سال میں عرب قوم کی شان دار قومی حکومت قائم کر کے اُس کو ایسا تمدن، ایسی تہذیب، ایسی شناخت دیتے ہیں، جسے ’’المدینۃ المنوّرہ‘‘ کہا گیا، جس سے پوری دنیا میں اُس کا یہ تمدن اور تہذیب کا نور پھیلا۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے اس قوم کی اگلے پانچ سو سالہ سیاسی طاقت کے بارے میں ہدایات دیں اور واضح کر دیا کہ عرب قوم کی حکمرانی آخرت کے نصف دن یعنی پانچ سو سال تک رہے گی۔ تغیرات وتبدلات ہوں گے، جو ہر زمانے کا لازمہ ہے۔ کیوں کہ زمانہ ہمیشہ یکساں نہیں رہتا، بدلتا رہتا ہے۔ اس طرح پانچ سو سال تک عربوں کی طاقت اور قوت، قریشیوں کی سربراہی میں خلافتِ بنوعباس کے خاتمے تک جاری رہی۔

جب عربوں میں ڈسپلن اور نظم وضبط چلانے کی صلاحیت نہیں رہی تو اُن کے مقابلے میں دین کی تعلیمات کو غیرعرب اقوام (عجمیوں) نے سنبھال لیا۔ عربوں میں سسٹم چلانے کی بنیادی طاقت ختم ہوگئی۔ لڑلڑ کر قریش کے بارہ قبیلوں نے ایسا جھگڑا پیدا کر دیا کہ مذہبی فرقے، نسلی اختلافات، برادریوں کے جھگڑے اور انتشار پیدا ہوگیا۔ اس حالت میں ایک بالکل ہی ان پڑھ اور اُجڈ قوم منگول سے نکلتی ہے اور بغداد جیسے ہرے بھرے شہر کو تباہ وبرباد کر دیتی ہے، جو عباسیوں کی چار سو سالہ تہذیب اور اُس کی شناخت کا مرکز تھا۔ وہی تاتاری جو اُس پورے نظام کو توڑ پھوڑ کر ختم کر دیتے ہیں، جب انھوں نے قرآن کی ان تعلیمات کو قبول کیا، اولیاء اللہ، بزرگوں کے ذریعے سے وہ اصل حقیقت سے آشکارا ہوئے، تو وہی تاتاری ہیں، انھیں کی نسلیں ہیں اور وہی ترک اور اُن کی نسلیں ہیں، جنھوں نے اگلے پانچ سو سال خلافتِ عثمانیہ کے طور پر قرآن کے اُن اصولوں پر اپنے آپ کو منظّم کیا، طاقت پیدا کی تو دنیا پر حکمرانی کی۔ وہی ترک اور مغل ہیں جنھوں نے یہاں ہندوستان کے اندر دوڈھائی تین سو سال حکمرانی قائم کی۔

مسلمان قوم کا یہ ہزار سالہ دور ہے۔ پہلے عربوں نے قرآنی تعلیمات کے مطابق اپنے آپ کو بدلا تو قریشیوں نے پانچ سو سال حکمرانی کی۔ پھر غیرعرب اقوام نے خود کو بدلا تو اُن کے ڈسپلن نے متعلقہ علاقوں کی اقوام کو ترقی دی۔ جس جس خطے میں یہ اقوام اور ان کے لوگ پہنچے، انھوں نے اسی قرآن کی بنیاد پر رفعت حاصل کی اور کامیابی کی منازل طے کیں‘‘۔

مسلمانوں کی غلامی کے اسباب
اور اس سے نکلنے کی حکمتِ عملی

حضرت آزادرائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

’’حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ مذکورہ آیت (الرّعد: 11) کے تناظر میں فرماتے ہیں کہ: ’’بنی اسرائیل - جو انبیاؑ کی اولاد ہے - نے جب فساد مچایا، اپنا ڈسپلن توڑا تو اللہ تعالیٰ نے دوسری غیرمسلم اقوام اور بخت نصر وغیرہ کو اُن پر مسلط کر دیا‘‘۔ اسی طرح مسلمانوں کے غلبے کے ہزار سال مکمل ہونے کے بعد اِن میں قرآنی تعلیمات کے مطابق ڈسپلن قائم کرنے کی صلاحیتوں میں کمی اور غفلت پیدا ہوئی تو اللہ نے ان کو سزا دینے کے لیے یورپین بھیڑیوں کو ان پر مسلط کر دیا۔

آپ دیکھیے کہ جب قرآن حکیم کی تعلیمات کو پسِ پشت ڈالا تو اللہ نے مسلمانوں کو بھی سزا دی کہ برعظیم پاک و ہند دو تین سو سال سے غلام ہے۔ نہ صرف یہ خطہ، بلکہ مسلمان خطے کی اقوام ہر جگہ پر ذلیل ورُسوا ہیں۔ اُن قوموں کے تابع ہیں، جن کا ظلم وستم پچھلے دو تین سو سال میں پوری انسانیت کے سامنے واضح اور دوٹوک طور پر سامنے آچکا ہے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا قتل عام دیکھ لیجیے، افریقا میں تباہی وبربادی، عرب ملکوں کے اندر خون کی ہولیاں کھیلی گئیں، فلسطین اُجڑ رہا ہے۔ مسلمانوں کے لیے ہر جگہ غلط سسٹم بنائے گئے۔ غلامی کی اَساس پر ان کو ذلیل ورُسوا کرنے کی عدالت، ان کو ذلیل ورُسوا کرنے والی مقتدرہ، ذلیل ورُسوا کرنے والی پولیس، ذلیل ورُسوا کرنے والا سیاسی اور عدالتی نظام ان پر مسلط کیا، جو آج بھی اپنا تسلط برقرار رکھے ہوئے ہے، جو کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ آج لوگ دھڑلے سے کہتے ہیں کہ نظام ننگا ہوگیا۔ یہ اہلِ دانش کے سامنے پہلے سے ننگا تھا، لیکن ہماری قوم کا مزاج یہ ہے کہ اس کے ساتھ کھلواڑ بھی کیا جائے تو وہ تماش بین کی طرح اُسے صرف انجوائے کرتے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ اگر یہ سب کچھ ظلم وستم ہے تو دانش ور اجتماعی طور پر مل بیٹھ کر دیکھیں کہ ہمارے اندر کیا خرابی ہے؟ ایک نیا سسٹم بنانے کے لیے ہمیں کیا اقدامات کرنے کی ضرورت ہے؟ کیوں غلامی کے سسٹم کو قبول کر رکھا ہے؟ جدید نوآبادیاتی نظام کے دور کو کیوں قبول کر رکھا ہے؟

مسلمانوں کو یہ غور وفکر کرنا چاہیے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ایک مشکل ترین لڑائی بھڑائی کی تاریخ رکھنے والی عرب قوم کو ایک لڑی میں پرو کر حکمرانی کی صلاحیت ان میں پیدا کر دی، جس کے نتیجے میں مسلمانوں کا ہزار سال تک عادلانہ سسٹم قائم رہا۔

آج ’’اسلام‘‘ کے نام پر شور مچانے سے کچھ نہیں ہوگا۔ اسلام کے دونوں ماڈلز (۱۔ پانچ سو سالہ عربوں کی حکومت، ۲۔ پانچ سو سالہ غیرعرب اقوام کی حکومت) کو سامنے رکھ کر قومی سسٹم تشکیل دیا جائے، جنھوں نے قرآن کو سینے سے لگایا، قرآن کی تعلیمات پر عمل کیا، ادارے بنائے، سسٹم بنائے، طریقۂ کار بنائے تو دنیا پر حکمرانی کی۔

آج ہر فرد، حکومت میں ہے یا حکومت سے باہر، کسی پارٹی کا رہنما ہے یا کسی شعبے کا ماہر ہے، جو جہاں بیٹھا ہے، اسے چاہیے کہ قرآن حکیم کی اَساس پر قومی نظام کے تقاضوں کو سمجھے۔ پھر ہی تبدیلی کی کوئی صورت بن سکتی ہے، ورنہ تو محض زبانی کلامی رسمی باتوں سے نتائج پیدا ہونے والے نہیں ہیں‘‘۔

وفیات تحریر: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کے خلیفہ مجاز

حضرت مولانا مفتی عبدالسلام قاسمیؒ کا سانحۂ ارتحال

سلسلۂ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے متوسلین، علمائے دین اور طلبائے مدارسِ دینیہ کے لیے باعثِ غم واندوہ کی حامل خبر ہے کہ حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا مفتی عبدالسلام قاسمیؒ (شیخ الحدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد، انڈیا) کچھ ماہ کی علالت کے بعد ۳/ شوال المکرّم ۱۴۴۵ھ/ 13/ اپریل 2024ء بروز ہفتہ دوپہر کو اپنے آبائی وطن ''جانسٹھ''، ضلع مظفرنگر (انڈیا) میں انتقال فرما گئے۔

إنّا للّٰہ و إنّا إلیہ راجعون. إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ، وَلَهُ مَا أَعْطىٰ.

وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى، فَلْنَصْبِرْ وَلْنَحْتَسِبْ.

آپؒ سلسلۂ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے تیسرے مسندنشین حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوری قدس سرہٗ سے بیعت تھے اور اُن کے وصال کے بعد سلسلے کے چوتھے مسندنشین حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کی صحبت میں رہنے کے بعد اُن سے سلسلۂ عالیہ رحیمیہ رائے پور میں مجازِ بیعت تھے۔ سلسلے کے متوسلین کے لیے اُن کا اس طرح بچھڑ جانا انتہائی صدمے اور قلق کا باعث بنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صبر دے۔

حضرت مفتی عبدالسلام قاسمیؒ کی ولادت ۱۳۶۷ھ/ 1948ء میں اپنے آبائی وطن ''پیپوڑہ''، تحصیل جانسٹھ، ضلع مظفرنگر (یو۔پی، انڈیا) میں ہوئی۔ آپؒ کے والدِ گرامی قاری حافظ محمد صدیقؒ تھے۔ ابتدائی تعلیم قریبی قصبہ ''کوال'' میں حاصل کی۔ پھر ابتدائی عربی درجات کی تعلیم اپنے آبائی علاقے میں قائم مدرسہ ''شمس العلوم'' ٹڈھیرہ ضلع مظفرنگر میں حاصل کی۔ اس کے بعد درسِ نظامی کی متوسطہ کتب کی تعلیم کے لیے ''مدرسہ مظاہر العلوم'' سہارن پور میں داخل ہوئے۔ جہاں آپؒ نے موقوف علیہ (مشکوٰۃ المصابیح وغیرہ) تک کی تعلیم حاصل کی۔ پھر درسِ نظامی کی تکمیل اور دورۂ حدیث شریف کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہو کر ۱۳۸۷ھ/ 1968ء میں سندِ فراغت حاصل کی۔ اس دوران مولانا سیّد فخرالدین احمدؒ (م: 1972ء، تلمیذ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ)، مولانا سیّد فخرالحسن مراد آبادیؒ (م: ۱۴۰۰ھ، تلمیذ حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ و خلیفہ مجاز حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ)، مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ (م: 1996ء)، مولانا عبدالاحدؒ اور مولانا شریف الحسنؒ ایسے جید علما سے علم حدیث شریف حاصل کیا۔ اس کے بعد ایک سال تکمیل ادب عربی کیا۔ اور عربی ادب میں کمال حاصل کیا۔

درسِ نظامی کی تکمیل کے بعد مدرسہ شمس العلوم ٹڈھیرہ اور مدرسہ رحمانیہ ہاپوڑ میں تعلیم و تدریس کی ذمہ داریاں سرانجام دیں۔ پھر 3 سال تک خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور گلزارِ رحیمی میں قائم مدرسہ فیض ہدایت رحیمیہ رائے پور میں درس و تدریس میں مشغول رہے۔

اسی دوران ۱۳۹۰ھ/ 1971ء میں حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ سے رائے پور میں قیام کے دوران بیعت و ارادت کا تعلق قائم کیا۔ پھر بڑی دل جمعی سے سلسلۂ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے ذکر واذکار میں مشغول رہے۔ رائے پور میں قیام کے دوران حضرت اقدس رائے پوری ثالثؒ اور رابعؒ کی صحبت سے خوب مستفید ہوئے۔

۱۴/ شوال ۱۴۰۱ھ/ 1981ء کو جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد میں سابق شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا عبدالجبارؒ کے اشارے سے آپ کو بہ حیثیت شیخ الحدیث اور صدر مدرّس مقرر کیا گیا۔ اس تاریخ سے لے کر تا دمِ حیات مسلسل پینتالیس (45) سال آپؒ نے درسِ حدیث نبویؐ کی خدمات سرانجام دیں اور پوری تندہی اور ہمت سے تشنگانِ علم حدیثِ نبویؐ کو سیراب کیا۔ آپؒ نے طلبائے دورۂ حدیث کو بڑی محبت اور شفقت سے پڑھایا۔ آپؒ کو عربی زبان و ادب پر قدرت حاصل تھی۔ بلاتکلف عربی میں درس دیتے تھے۔ بعض اوقات بخاری شریف کا پورا درس عربی زبان میں ہوتا تھا۔

حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ سے بیعت اور ارادت کے تعلق کے بعد سرگودھا (پاکستان) سے کئی سال تک حضرت رائے پوری ثالثؒ کا رائے پور (انڈیا) کا سفر نہ ہوسکا تھا۔ اس دوران میں حضرت مولانا مفتی عبدالسلام قاسمیؒ حضرت رائے پوری ثالثؒ کی صحبت اُٹھانے کے لیے رمضان المبارک میں پاکستان تشریف لاتے تھے۔ پہلی مرتبہ ۱۴۰۲ھ/ 1982ء میں مری ضلع راولپنڈی میں رمضان المبارک کے قیام کے دوران پاکستان تشریف لائے اور ایک چلّہ حضرت اقدس رائے پوریؒ کی صحبت میں رہے۔ اسی قیام کے دوران راقم سطور بھی حضرت اقدس رائے پوری ثالثؒ سے بیعت ہوا تھا۔ حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کی ذمہ داری ذاکرین کو ذکر اللہ سکھانے اور اُن کے معمولات کی نگرانی کرنے کی تھی۔ اس قیام کے دوران حضرت مولانا قاسمیؒ حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کی صحبت سے بھی خوب مستفیض ہوئے اور اسی ملاقات میں آپؒ کی گفتگو اور شعوری تجزیوں کے گرویدہ ہوگئے۔

اس طرح کم و بیش ہر سال رمضان المبارک کی تعطیلات کے دوران پاکستان کے ویزے کی کوشش کرتے اور دستیابی کی صورت میں پاکستان تشریف لاتے رہے اور حضرات مشائخ رائے پور کے بیان کردہ معمولات کو پوری پابندی کے ساتھ کرتے ہوئے اُن کی صحبت سے مستفیض ہوتے رہے۔ اگر پاکستان کا ویزہ دستیاب نہ ہوتا تو رمضان المبارک کی تعطیلات خانقاہِ رائے پور (انڈیا) میں بڑے اہتمام اور یکسوئی کے ساتھ گزارتے تھے اور مشائخ رائے پور کے روحانی فیوضات سے مستفیض ہوتے تھے۔

اس دوران 1988ء تا 1992ء چار پانچ سال تک حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ کے خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے کئی کئی ماہ کے اسفار بھی ہوئے۔ اس دوران بھی حضرت مولانا قاسمیؒ رائے پور میں قیام فرما ہوتے رہے۔

حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ کے وِصال (جون 1992ء) کے بعد حضرت مولانا قاسمیؒ کا تعلقِ بیعت حضرات مشائخ رائے پورؒ کے جانشین حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ سے رہا۔ اسی لیے 1993ء سے تقریباً ہر سال

رمضان المبارک کی تعطیلات میں پاکستان تشریف لاتے اور جہاں حضرت رائے پوری رابعؒ کا قیام ہوتا، پوری دل جمعی کے ساتھ سلسلۂ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے ذکر اذکار اور حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ کی مجالسِ صحبت سے مستفید ہوتے۔

چناں چہ ۱۴۱۷ھ / 1997ء میں قصبہ ''شہر فرید''، تحصیل چشتیاں، ضلع بہاولنگر میں قیامِ رمضان کے دوران حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ نے آپؒ کو دیگر خلفا کے ساتھ اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔ چناں چہ حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ کے حکم پر راقم نے جامع مسجد شہر فرید میں حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ کی طرف سے ان تمام حضرات کی سلسلۂ عالیہ رحیمیہ رائے پور میں اجازت کا اعلان کیا تھا۔

حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ کو آپؒ پر بہت اعتماد تھا اور اس کا اظہار بھی اکثر کرتے رہتے تھے۔ آپؒ کو بھی حضرتؒ سے بے حد محبت اور دلی تعلق تھا۔ ہمیشہ اس کا اظہار فرماتے رہتے تھے۔ 2012ء میں حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ کے وصال کی خبر سن کر بلک بلک کر رونے لگے تھے اور طبیعت کی تمام رونق جاتی رہی تھی۔ حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ کی شخصیت کے حوالے سے تأثرات کی کتاب میں آپؒ نے لکھا:

> ''حضرتؒ نے اپنے اکابرین کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے عوامی وسماجی رابطہ بحال کیا۔ آپؒ نے تصوف کے میدان میں مجددانہ کردار ادا کرتے ہوئے اس کے اجتماعی اثرات کو معاشرے میں عمومی سطح پر وسعت دی۔ ان کی تمام زندگی ولی اللّٰہی مشائخ کے فکر اور اُن کی جماعت کے تعارف میں گزر گئی''۔

حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ کے وصال کے بعد راقم سطور سے بھی دلی محبت اور تعلق کا سلسلہ برقرار رہا۔ حضرتؒ کے وصال کے بعد حضرتؒ کی تعزیت کے لیے پاکستان بھی تشریف لائے۔ خط وکتابت اور ٹیلی فون کے ذریعے سے ہمیشہ خیریت وعافیت دریافت کرتے رہتے تھے اور اپنی خیریت اور معمولات سے آگاہ کرتے رہتے تھے۔ رائے پوری سلسلے کے فروغ کے لیے کی جانے والی کاوشوں پر بہت خوشی کا اظہار فرماتے تھے۔

ابھی پچھلے سال اکتوبر نومبر 2023ء میں حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کے خلفا کی معیت میں راقم کو عمرے کی سعادت حاصل کرنے کے لیے حرمین شریفین جانے کا موقع ملا۔ جیسے ہی حضرت مولانا مفتی عبدالسلام قاسمیؒ کو اس کا علم ہوا تو حضرتؒ بھی اہتمام کے ساتھ عمرے کے لیے تشریف لائے۔ اس سفر میں سلسلۂ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے متوسلین مختلف ممالک سے کثرت سے شریک ہوئے تھے۔ اس لیے رائے پوری احباب کے ماحول میں حضرتؒ کا وجود بڑا غنیمت رہا۔ اسی سفر کے دوران ہی حضرت مولانا قاسمیؒ کی طبیعت خراب ہوئی اور مکہ مکرمہ میں دوسرا عمرہ کرنے کے بعد اپنے صاحبزادے حافظ عبدالقادر کو اصرار کرکے واپس انڈیا جانے کا تقاضا پیدا ہوا۔ کمزوری اور نقاہت بڑھ چکی تھی۔ ہم نے بھی بادلِ نخواستہ حضرت قاسمیؒ کو رُخصت کیا۔

عمرے کے سفر سے واپس اپنے وطن آکر کمزوری بڑھتی رہی اور مختلف امراض نے آن گھیرا۔ ان تمام تر تکلیفوں اور امراض کے باوجود آپؒ نے درسِ بخاری اور درسِ ترمذی جاری رکھا۔ محرم الحرام ۱۴۴۵ھ / 2023ء میں کمزوری غالب ہوگئی۔ اس کے باوجود آپؒ ہسپتال میں علاج معالجے کے وقفے کے علاوہ درسِ احادیثِ نبویؐ دیتے رہے، ان دروس میں مشائخ رائے پور کا اکثر تذکرہ کرتے اور اُن کے فرمودات بڑی محبت اور چاہت سے بیان کیا کرتے تھے۔ آخر زمانے میں رائے پوری مشائخ کی محبت پوری طرح پُرجوش ہوچکی تھی۔ آپؒ کتبِ حدیث کی تکمیل پر طلبا کو گراں قدر نصیحتیں فرمایا کرتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ: ''دینی خدمت سے کے ساتھ ہمیشہ وابستہ رہنا۔ دین کے تمام شعبوں کے درمیان باہمی ربط پیدا کرنے کی فکر کرنا۔ اہلِ علم سے ہمیشہ رابطہ رکھنا۔ کسی مال دار سے گہرے مراسم مت رکھنا۔ بہ قدرِ ضرورت اُس سے تعلقات پر اکتفا کرنا۔ جو کتاب بھی پڑھانے کے لیے دی جائے، اُس کو خوب محنت سے پڑھانا''۔

آپؒ نے اس سال بخاری شریف ۱۳/ رجب المرجب ۱۴۴۵ھ / 25/ جنوری 2024ء کو تکمیل کرائی۔ اس درس کا تذکرہ کرتے ہوئے طلبا بیان کرتے ہیں کہ: ''قاری طالبِ علم نے روایاتِ حدیث پڑھنی شروع کیں اور اس کی آواز دارالحدیث میں گونجنے لگتی ہے۔ آخری حدیث کی تکمیل کے موقع پر شیخِ وقت نے دعا کرائی۔ اس دعا کا ایک جملہ یہ بھی تھا: ''اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے، وہی ہوتا ہے''۔ اس جملے کا سننا تھا کہ طلبا کی چیخیں نکل گئیں۔ پورا مجمع زار وقطار روتا رہا۔ روتے روتے محفل برخواست ہوگئی''۔

عمرے کے سفر سے واپسی پر آپؒ کی بیماری بڑھتی رہی تھی۔ دورانِ ٹیسٹ معلوم ہوا کہ آپؒ ایک موذی مرض میں مبتلا ہوگئے ہیں۔ مختلف شہروں میں آپؒ کے علاج معالجے کا سلسلہ جاری رہا، لیکن بیماری جسم میں پھیل گئی تو تکلیف کی شدت کے باوجود صبر کے ساتھ رضا بالقضا پر کاربند رہے۔ آخری دنوں میں مراد آباد سے آبائی وطن منتقل ہوگئے تھے اور بالآخر چار پانچ ماہ کی علالت کے بعد ۳/ شوال المکرّم ۱۴۴۵ھ / 13/ اپریل 2024ء بروز ہفتہ دوپہر کو اپنے آبائی وطن ''جانسٹھ''، ضلع مظفرنگر (انڈیا) میں انتقال فرماگئے۔

آپؒ نے وصیت کی تھی کہ: ''اگر ممکن ہو تو مجھے رائے پور میں دفن کیا جائے، ورنہ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد کے قریب ''مقبرہ حضرت مولانا فخرالحسن مراد آبادیؒ'' میں تدفین عمل میں لائی جائے''۔ چناں چہ اسی روز عصر کے بعد آپؒ کا پہلا جنازہ آبائی وطن میں حضرت مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری (استاذ دارالعلوم دیوبند ونواسۂ حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ) نے پڑھایا۔ اس کے بعد آپؒ کا جسدِ خاکی مراد آباد منتقل کیا گیا اور رات کو آپؒ کے بڑے صاحبزادے مولانا سعیدالزمان صاحب نے آپؒ کا جنازہ پڑھایا اور آپؒ کے استاذِ محترم مولانا فخرالدینؒ کے پہلو میں لال باغ ''حوض والی مسجد'' کے قریب مراد آباد میں تدفین عمل میں آئی۔ آپؒ کی اہلیہ محترمہ کا انتقال تقریباً دس سال قبل ہوچکا تھا۔ آپؒ نے تین صاحبزادے: مولانا سعیدالزمان، مولانا وحیدالزمان اور حافظ عبدالقادر اور پانچ صاحبزادیاں پس ماندگان میں چھوڑے ہیں۔

آپؒ کے وصال پر پاکستان اور ہندوستان میں سلسلۂ عالیہ رحیمیہ رائے پور سے وابستہ تمام دینی مراکز و مدارس میں ایصالِ ثواب کیا گیا اور مغفرت اور ترقیِ درجات کی

Monthly RAHIMIA Lahore CPL No. 59

دعائیں کی گئیں۔ اللہ تعالیٰ آپؒ کو اپنے اساتذۂ کرام اور مشائخ رائے پوری کی معیت میں اُٹھائے۔ آمین یا الٰہ العالمین!

(بقیہ: تباہی کا نسخہ) معاشی حوالے سے انڈونیشیا اور بنگلا دیش گزشتہ ایک دہائی سے بہتری کی جانب گامزن ہیں، لیکن حالیہ عالمی کساد بازاری نے انھیں بھی متعدد پیش بندیوں پر مجبور کر دیا ہے۔ کیوں کہ جن مشکلات میں سے آج دیگر ممالک گزر رہے ہیں، اس قسم کے حالات کا سامنا ان دو ممالک کو آج سے بیس سال پہلے تھا۔ یہ اُس وقت سے ان مشکلات سے نبرد آزما ہیں، جس میں یکسو سیاسی قیادت نے بہرحال ان ممالک کو معاشی میدان میں نسبتاً مستحکم رکھا ہے۔

کرونا وَبا کے دوران اور بالخصوص بعد میں دنیا کے معاشی کرتا دھرتاؤں نے لوگوں کی قوتِ خرید برقرار رکھنے کے لیے خوب کرنسی چھاپی۔ یہ ایسی حکمتِ عملی تھی جسے شاید ہی کسی ملک نے اختیار نہ کیا ہو۔ نوٹ چھاپنے کا مطلب صرف اور صرف قومی قرض میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس ہی مدت کے دوران عالمی سطح پر مصنوعات کی پیداوار میں کمی نے عالمی کھپت میں کمی پیدا کی۔ اس تناظر میں ہوا یہ کہ لوگوں کے پاس کرنسی تو موجود رہی، لیکن اس کے بدلے میں خریدی جانے والی اشیا میں خاطر خواہ کمی پیدا ہو چکی تھی۔ اس کی وجہ سے مصنوعات کی قیمتیں بہ تدریج بڑھتی چلی گئیں، جسے Comodity Supper Cycle کا نام دیا گیا۔ نتیجتاً یہ تمام محدود وقتی حکمتِ عملی دنیا کو ایک عظیم بحران کی طرف دھکیل چکی ہے۔ امریکا سمیت دنیا کے اکثر ممالک مجبور ہیں کہ افراطِ زر کو قابو میں لانے کے لیے شرح سود میں اضافہ کریں۔ آقا کی پیروی میں پاکستان جیسے کمزور معیشت ممالک اپنی آبادیوں کی ضرورت پوری کرنے کے لیے مطلوبہ پیداوار حاصل کرنے سے مستقل قاصر ہیں۔ یوں بے روزگاری اور غربت کے عفریت کا سامنا کرنے پر مجبور ہیں۔

ایسا سوچنا کہ بیرونی سرمایہ کاری آجائے گی، یا پاکستان میں تیل نکل آئے گا، یا یہاں زرعی انقلاب آجائے گا تو معیشت ٹھیک ہو جائے گی۔ مذکورہ مثالیں یہ ثابت کرتی ہیں کہ ان میں سے کچھ بھی اس وقت تک کام نہیں آتا جب تک معیشت کی بنیادیں درست اصولوں پر استوار نہ کی جائیں۔ ایسا نہیں ہے کہ مذکورہ مسلمان ممالک جیسے ممالک ہی اس قسم کی مصیبت میں مبتلا ہیں۔ اس میں یورپ کے بیش تر ممالک بھی شامل ہیں۔ ان کے وقتی بقا کی وجہ یورپی یونین جیسے مضبوط اور بالا دست معاشی اِکٹھ ہیں، ورنہ یوکرین جنگ نے ان ممالک کے استحکام کے پول کھول کے رکھ دیے ہیں۔ بہرحال انسانیت ایک بڑے بحرن کی طرف بڑی تیزی سے بڑھ رہی ہے، جس میں کرنسی اور عالمی قرض کا نظام ایک بڑی تصحیح Correction کا متقاضی ہے۔ ایسے میں پاکستان جیسے ممالک کے لیے ضروری ہے کہ مقامی پیداواری صلاحیت بالخصوص خوراک میں اضافہ کریں اور خطے کی طاقتوں سے پنگے لینا چھوڑیں، تاکہ بحران در بحران میں جکڑی اس قوم کو سکھ کا سانس حاصل ہو۔ اگر ہمارے بڑے یہ نہیں چاہتے تو اس ملک کے نوجوان منظم ہوں اور اپنے محفوظ مستقبل کی باگ اپنے ہاتھوں میں لے لیں۔

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

از حضرت مفتی عبدالقدیر شعبۂ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

سوال: سوشل میڈیا پر علمائے کرام کے ویڈیو والے بیانات، خطبات اور خبریں سننا اور دیکھنا شرعاً کیسا ہے؟ جب کہ بعض علما نے اس کو ناجائز اور حرام قرار دیا ہے؟

سائل: محمد حامد مدنی، حیدر آباد

جواب: 1۔ ایسی ویڈیوز جن میں بے حیائی اور فحاشی کا عنصر نہ ہو، اس شرط کے ساتھ مباح ہیں کہ اس میں صرف تقاریر اور خبریں ہی سنی جائیں۔ جن ویڈیوز میں گانا بجانا اور بے حیائی کا عنصر موجود ہو، ان کا دیکھنا اور سننا حرام ہے۔ 2۔ قرآن حکیم پڑھنا اور سننا بھی مباح ہے۔ 3۔ ایسی ویڈیوز بنانے کا مقصد اگر مفت تعلیم اور تبلیغِ اسلام ہو تو اجر و ثواب ہے اور محض کمائی یا نمود و شہرت کی غرض کے لیے یہ تمام کام کیے جائیں تو پھر اجر و ثواب نہیں ہے۔

سوال: کیا زکوٰۃ اس سامان پر بھی فرض ہے جو گھر میں ضرورت سے زائد پڑا ہے؟ مثلاً فریج، واشنگ مشین جو استعمال میں پورا سال بھی نہ لائی گئی ہوں۔ نیز وہ نقدی مال جو بندہ اپنے بیٹے کی تعلیم کے لیے رکھ دے، وہ نصاب کو بھی پہنچتا ہو، اس پر سال بھی گزر چکا ہو تو کیا اس پر بھی زکوٰۃ فرض ہوگی؟ محمد آصف، کراچی

جواب: گھر کی ضرورت کا سامان؛ برتن، میز، کرسیاں، الیکٹرک و الیکٹرانکس کی تمام اشیا، چاہے روزمرہ کام میں آتی ہوں یا نہیں، ان پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔ زکوٰۃ صرف اس مال پر فرض ہوتی ہے جو خواہ حقیقتاً بڑھنے والا ہو، مثلاً توالد و تناسل اور تجارت سے بڑھنے والا مال)، یا حکماً بڑھنے والا ہو یعنی مالک اگر اس کو بڑھانا چاہے تو وہ اس پر قادر ہو، جیسے سونا چاندی وغیرہ۔ البتہ صدقہ فطر اور قربانی کے وجوب میں ضروریات سے زائد سامان کی مالیت اور اس کی قیمت بھی شمار ہوگی۔ اگر اس کی قیمت نصاب کو پہنچ جائے تو صدقہ فطر اور قربانی واجب ہو جائے گی۔ جو مال کسی آدمی نے تعلیم یا ذاتی مصرف کے لیے رکھا ہے، اگر اس پر سال گزر جائے تو زکوٰۃ فرض ہوگی، کیوں کہ وہ اس مال کو تجارت وغیرہ میں لگا کر بڑھانے پر قادر ہوتا ہے۔

سوال: عبداللہ نے شوروم کے مالک سے 50 ہزار میں موٹر سائیکل خریدی۔ چابی اور قبضہ لینے کے بعد وہاں پر عبدالرحیم کو دے دی۔ پھر عبدالرحیم نے بھی چابی اور قبضہ لینے کے بعد دوبارہ اسی شوروم کے مالک کو واپس کر دیا۔ عبداللہ اور عبدالرحیم کا مقصد مال خریدنا نہیں، بلکہ چیز کی قیمت بڑھانے یا قدر بڑھانے کی غرض سے یہ عمل کرنا ہے۔ کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے؟ سائل: محمد زمان، چشتیاں

جواب: اگر عبداللہ یا عبدالرحیم کا مقصد مال خریدنا نہیں، بلکہ محض چیز کی قیمت بڑھانا ہو تو یہ عمل ناجائز ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ: ”رسول اللہؐ نے معاملہ لین دین میں کھوٹ کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے“۔ (صحیح بخاری) مثلاً محض قیمت بڑھانے کے لیے بولی دینا یا ایسا عمل کرنا جس سے ضرورت مند زیادہ دام دینے پر آمادہ ہو جائے، ناجائز ہے۔

مدیرِ اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع و ناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ ”رحیمیہ“ رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ لاہور سے جاری کیا۔